عطیہ فیض بلوچ

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف بلوچستان

لب / ولور بلوچستانی ادب کے تناظر میں

Attia Faiz Baloch

Scholar Ph.D, Urdu Department, University of Balochistan.

Lab or Walwar In the context of Balochistan literature

Ritual is an important part of our culture. Ritual belongs to the human psyche; it is the name of a continuous habit. Which is not limited to one person but also appears in the lives of all human beings living in such an environment and when one thing seems to be common to all people, it is called ritual. In the life of mankind rituals are prevalent from birth to death. But many forms of those rituals can be seen on the occasion of marriage. The colorful rituals can also be seen in the tribes of Blochistan (Baloch, Brahvi, and Pashtun). One of the common denominations of these three is the "Lab or Walwar". The Baloch and Brahvi tribes call this ritual Lab while among the Pashtuns this ritual is known as Walwar. In this ritual, after a girl's relationship, a large sum of money is demanded from the boys. The writers made of their stories. That is why in Balochistan prose (short, stories, fictions, novels) many stories have been created on Walwar. The importance of this ritual in Literature is appreciated.

Key Words: *Baloch, Brahvi, Pashtun, Lab or Walwar, Balochistan, Short Stories, Fictions, Novels.*

رسم ثقافت ہے اور ثقافت رسم کی آئینہ دار ہے۔ رسوم انسانی نفسیات کا عملی مظہر ہیں۔ یہ ایک مسلسل عادت کا نام ہے۔ جو صرف ایک فرد تک محدود نہیں رہتی بلکہ ایسے ماحول میں رہنے والے تمام انسانوں کی زندگی میں بھی ظاہر ہوتی ہے اور جب ایک بات سب ہی لوگوں میں مشترک نظر آتی ہے تو اسے رسم کہا جاتا ہے۔ جب کہ عادت ایک ہی آدمی کی مسلسل عمل بجالانے کا نام ہے۔ بلوچستان کے قبائل کے رسوم نے بھی اپنے سماجی ماحول میں جنم لیا ہے۔ اس لیے ان کا سماجی نظام، اقتصادی حالات اور قبائلی کردار سے گہرا تعلق ہے۔ اگرچہ رسوم میں اس بات کی اجازت ہوتی ہے کہ ان کی پابندی کریں یا نہ کریں لیکن عام مشاہدہ یہ ہے کہ رسوم عوام الناس کی زندگی کا لازمی

جزو بن گئے ہیں۔ ان پر عمل کرنا بنیادی فرض سمجھا جاتا ہے اور جو رسوم کی پابندی نہیں کرتا اُسے بہت برا تصور کیا جاتا ہے۔ دیگر قبائل کی طرح بلوچوں کے ہاں بھی پابندی کو اہم گردانا جاتا ہے اس ضمن میں طاہر محمد خان "بلوچی زبان وادب" میں لکھتے ہیں:

> "اگر کوئی ان کو نظر انداز کرے تو وہ لوگوں کی نظروں میں گر جاتا ہے۔ وہ لوگوں کی نظروں میں بلوچ نہیں رہتا۔"(۱)

بنی نوع انسان کی زندگی میں ویسے تو رسوم پیدائش سے لے کر موت تک رائج ہیں۔ لیکن شادی بیاہ کے موقع پر ان رسوم کی بے شمار شکلیں دیکھی جاسکتی ہیں اور مختلف اقوام میں رسوم کے مختلف رنگ نظر آتے ہیں۔ رسوم کی یہ رنگارنگی بلوچستان کے تینوں قبائل (بلوچ، براہوی، پشتون) کے ہاں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ صدیوں سے اکٹھے آباد ان قبائل کی بہت سی رسوم ایک جیسی ہیں۔ لیکن ان میں ایک مشترک رسم لب یا ولور بھی ہے۔ بلوچ اور براہوی قبائل اس رسم کو "لب" کہتے ہیں۔ جب کہ پشتونوں کے ہاں یہ رسم "ولور" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قبائل اس رسم کو حق مہر کا نام دیتے ہیں۔ جس میں لڑکی کا رشتہ طے پانے کے بعد لڑکے والوں سے بھاری رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اس رقم سے شادی کی تقریب پر لڑکی کے والدین اس کے لیے زیور اور کپڑوں کا انتظام کرتے ہیں۔ تاکہ مسکین اور غریب والدین کو قرض کا زیر بار نہ اُٹھانا پڑے، اس رسم کے پس منظر میں حصول منفعت کا کوئی جذبہ پوشیدہ نہیں ہوتا لیکن بدقسمتی سے اقتصادی حالات نے اس رسم میں کافی خرابیاں پیدا کر دی ہیں۔ اور لوگوں نے لب، ولور کو آہستہ آہستہ بڑھا کر اس حد تک کر دیا ہے کہ اس کی ادائیگی متوسط طبقہ کی دست بُرد سے باہر ہو گئی ہے۔ اس طرح اس رسم میں بھی رحم، انصاف، رواداری اور معقولیت کی جگہ حرص، خودغرضی اور طمع ولالچ نے لے لی ہے۔ اور اب اس بے ضرر رسم نے ایک آزار کی صورت اختیار کرلی ہے۔ تینوں قبائل اس رسم پر سختی سے عمل پیرا ہیں۔ یہ ان کی ثقافت کا فکری پہلو ہے۔ جیسے ترک کرنا ان کے لیے مشکل امر ہے۔ تاہم گزرتے وقت نے لوگوں کے ذہن بدلنے شروع کر دیئے ہیں۔ جس سے اس رسم کو اپنانے والے کم ہوتے جارہے ہیں۔ بہ قول سلطان محمد صابر:

> "اگرچہ شہری اور متمدن لوگوں نے اس رسم کو اب ترک کرنا شروع کیا ہے۔ لیکن دیہاتی آبادیوں میں جاری ہے"۔(۲)

ادب اپنے معاشرے سے الگ نہیں ہو سکتا لکھنے والا اپنے گردوپیش سے یقیناً متاثر ہوتا ہے۔ اور اپنے آس پاس رونما ہونے والے حالات و واقعات کو ضبط تحریر میں لاتا ہے ایسا صرف مشرق کے ادیب ہی نہیں کرتے بلکہ

مغربی ادیب بھی معاشرتی حالات کو اپنی تحریروں میں ڈھالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موضوعات میں تنوع دیکھنے کو ملتا ہے۔ دنیا کے تمام زبانوں کی نثر کی ابتداء قصے، کہانیوں اور داستانوں سے ہوتی ہے۔ پہلے پہل ان کے موضوعات فلاحی و اصلاحی ہوتے تھے۔ آہستہ آہستہ موضوعات نے روزمرہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنانا شروع کیا۔ ان موضوعات میں سب سے زیادہ ثقافت اور رسم ورواج کو ادیبوں نے اپنی تحریروں کا حصہ بنایا۔ بلوچستان کی عشقیہ نثری داستانوں کا جائزہ لیا جائے تو ان میں واردات قلبی کے علاوہ لب وولور کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ بلوچی عشقیہ داستان "عزت و مہرک" میں اس رسم کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ مہرک کے حسن کا چرچا سن کر پنجگور کا نوجوان شاعر "مُلا عزت" اس کی تلاش میں نکلتا ہے۔ اپنے اشعار میں ان دیکھے محبوب کا نقشہ کھینچتا ہے۔ اس کے اشعار میں موجود عشق کی حدت جب مہرک کے باپ سالک تک پہنچتی ہے تو وہ بیٹی کو بدنامی سے بچانے کے لیے عزت کو گھر پر بلاتا ہے۔ اور بھاری لب کا مطالبہ کرتا ہے۔ جسے ادا کرنا اس کے بس میں نہ تھا لیکن وہ پھر بھی حامی بھرتا ہے۔ کیونکہ لب کے بدلے اُسے مہرک مل رہی تھی۔ اس نکتے کو کامل القادری یوں بیان کرتے ہیں۔

> "سالک نے قدرے توقف کے بعد یہ رشتہ اس شرط پر قبول کر لیا کہ وہ لب، شیر مادر اور شادی کے دوسرے اخراجات پورے کرے اور نہایت مبالغہ آمیز اخراجات اور خطیر رقم طلب کی، عزت تیار ہو گیا"۔ (۳)

یہاں لب سے مراد وہ رقم جو لڑکے والے یکمشت لڑکی والوں کو دیتے ہیں۔ شیر مادر بھی انہی رسوم کا حصہ ہے کہ جس میں ایک رقم لڑکی کی ماں کو دی جاتی ہے۔ جب کہ دوسرے اخراجات میں بری، لباس شاہانہ، زیور، غلہ، بھیڑیں، اونٹ اور بستر وغیرہ شامل کیے جاتے ہیں۔ اس داستان میں مُلا عزت پر بطور لب بھاری معاوضہ رکھا جاتا ہے۔ لیکن وہ مہرک کے عشق میں تمام مطالبات بخوشی مان لیتا ہے۔ ایک اور بلوچی داستان کیاِ وصدو میں بھی اس رسم کی جھلک موجود ہے۔ کیاِ وصدو خانہ بدوش قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جن کا مسکن ہری بھری چراگاہیں ہوتی ہیں۔ موسم کی تبدیلی کے سامنے کُوچ کرنا ان کا مقدر ہے۔ ایسے ہی ایک چراگاہ ان دونوں کو ملاتی ہے۔ کیاِ صدو کے عشق میں ہر قسم کی شرط ماننے کو تیار ہوتا ہے۔ اپنے وطن لوٹنے سے پہلے وہ بھیڑیں، آٹا اور دعوت میں پکنے والے کھانے کے لیے لکڑیاں لب کے طور پر دے کر چلا جاتا ہے تاکہ وہ صدو کے والدین کی طرف سے دیگر شرائط پوری کرے۔ لیکن جب اُسے واپس آنے میں دیر ہو جاتی ہے تو صدو اُسے پیغام بھجواتی ہے کہ جلدی آؤ ورنہ اس کے والدین اس کی شادی کہیں اور کر دیں گے۔ صدو بلوچی زبان میں کیاِ کو یوں پیغام بھجواتی ہے۔

پرچے شموشکارے تمام
کائے اور پیدا ک نہ بئے
سیر ءِ گرانڈ پیر بیتگاں
آرت دُر شیگیں کوگ کپتگاں
دار تئی رمیز اں کپتگاں
بیا کہ تئی جاگہ ءَ دگہ مرد گراں

ترجمہ: (آنے کا وعدہ کیا مگر نہیں آئے۔ شادی کے لیے پلی ہوئی بھیڑیں بوڑھی ہو گئی ہیں۔ دعوت کے لیے پسے ہوئے آٹے میں کیڑے نمودار ہوئے ہیں۔ اور لکڑیوں کو دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ جلدی سے آجاؤ ورنہ تمھاری جگہ کوئی اور لینے کو ہے)۔ اس داستان میں بھی اشیاءِ خورد و نوش کی شکل میں لب وصول کرنے کا ذکر ہے۔

بلوچستان کی پشتو عشقیہ داستانوں میں بھی ولور کا ذکر ہے۔ پشین کے علاقے سے تعلق رکھنے والی داستان مومن خان اور شیرینو میں قصے کی ابتداء ہی ولور کے مطالبے سے ہوئی ہے مومن خان اور شیرینو چچازاد ہونے کے باوجود اس رسم کے پابند ہوتے ہیں۔ بچپن میں رشتہ طے پا جانے کے باوجود شادی کے لیے ولور کی شرط رکھی جاتی ہے۔ لہٰذا مومن خان بھاری ولور کی رقم کمانے کے لیے ہندوستان کا رخ کرتا ہے، اُس عہد میں ہندوستان کاروبار کے حوالے سے اہم تجارتی مرکز تھا۔ لہٰذا محنت مزدوری کے مواقع آسانی سے میسر تھے۔ اس لیے عوام الناس وہاں جا کر مطلوبہ رقم کے حصول کی کوششوں میں لگ جاتے۔ جب شیرینو کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مومن خان ولور کی رقم جمع کرنے ہندوستان جا رہا ہے تو وہ اسے جانے سے منع کرتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ رقم مجھ سے لے کر میرے بھائیوں کو دے دو۔ داستان میں مومن خان ٹپے کی صورت میں کہتا ہے۔

"دہندوستان ولورتہ ځمہ
د شیرینو ولور پہ خپل لاسوگټمہ" (۴)

ترجمہ: (ولور کے لیے ہندوستان ضرور جاؤں گا اور شیرینو کا ولور اپنے ہاتھوں سے کماؤں گا)۔ داستان میں مومن خان نا صرف ہندوستان جاتا ہے بلکہ ولور کی مطلوبہ رقم لے کر واپس لوٹتا ہے۔

بلوچی اور پشتو داستانوں کی طرح براہوی عشقیہ مثنوی ماہ گل میں بھی مرکزی کردار "ماہ گل" کو وہی شخص اپناتا ہے۔ جو امیر کبیر ہے اور لب کے طور پر بھاری معاوضہ ادا کرتا ہے۔ بلوچستان کے ضلع چاغی سے تعلق رکھنے والی

اس عشقیہ مثنوی میں حسین و جمیل لڑکی ماہ گل کو اپنانے والے بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔ان سب میں نبی بخش متمول شخص تھا جو مطلوبہ لب ادا کر سکتا تھا۔بقول ڈاکٹر عبد الرحمن براہوی:

"دا بختاور ناپن نبی بخش تراسی زئی اس نبی بخش بھلو امیرءِ دولتمند س الو کیہ ولے داخدر نیز گار ہم الو"۔(۵)

ترجمہ:(اس خوش نصیب کا نام نبی بخش تراسی زئی تھا۔نبی بخش بہت امیر کبیر شخص تھا وہ سو سے زائد بھیڑوں کے ریوڑ کا مالک تھا)۔داستانی قصوں کی اپنی فضا ہے۔جس میں زیادہ تر عشقیہ مضامین ہی ہوتے ہیں۔لیکن یہاں کے لکھنے والوں نے مرکزی کرداروں کو ملانے کے لیے لب وولور جیسے رسم کا سہارا لیا ہے۔لب وولور کے حصول کے دوران کہانی میں کئی موڑ آجاتے ہیں۔جس سے داستانی قصوں کو طول دینے میں مدد ملتی ہے۔

لوگ کہانیوں اور داستانوں کے بعد نثر کا سفر افسانوں کی جانب بڑھنے لگا۔کہانیاں اور داستانیں جدید افسانے سے بالکل مختلف ہیں۔ابتداء میں انسان ضروریات اور خواہشات کا غلام تھا۔خواہشات کی تکمیل کے لیے طاقت ضروری چیز تھی یہی وجہ ہے کہ ہر ملک کے ابتدائی قصے جانبازی اور دلیری کے واقعات پر مشتمل ہیں۔اس کے بعد مذہبی اور اخلاقی قصوں کا دور شروع ہوتا ہے۔اور پھر عشق اور محبت کی قصوں کے ابتداء ہوئی۔اس وقت تک افسانوی ادب میں طویل داستانیں چھوٹی چھوٹی ناتراشیدہ کہانیاں، حکایتیں اور رزمیہ داستانیں موجود تھیں۔یہی داستانیں اپنے اندر تبدیلی اور جدت پیدا کر افسانے کی شکل اختیار کرتی گئیں۔بلوچستان کے اردو افسانے کو ارتقائی ادوار کے پس منظر میں دیکھا جائے تو تین اہم ادوار سامنے اتے ہیں۔

۱۔دور اول　:　قیام پاکستان تک کی افسانہ نگاری

۲۔دور دوئم:　۱۹۴۷ سے ۱۹۷۱ تک (بلوچستان کو صوبائی حیثیت ملنے تک)

۳۔دور سوئم:　۱۹۷۲ تا حال

تینوں ادوار میں افسانوں کے موضوعات مختلف رہے ہیں۔لب وولور کے تناظر میں یہاں کے افسانوں کو دیکھا جائے تو لکھنے والوں نے ثقافت اور اس کے اہم جزو رسوم کو موضوع کے طور پر کثرت سے اپنایا ہے۔افسانہ نگار شہناز اپنے افسانے کا عنوان ہی ولور رکھتی ہیں۔پوری کہانی اس رسم کے گرد گھومتی ہے۔افسانے میں ولور کا ذکر کچھ یوں کیا گیا ہے۔

"صدیق خان نے آج پورے پچاس ہزار ولور دے دیا ہے اور ساتھ ہی شادی کی تاریخ مانگی ہے"۔ (۶)

لب وولور کا تعلق شادی بیاہ سے ہے۔ لڑکی کے بدلے رقم لینا اس رسم کا اہم پہلو ہے یہ رقم ہر دور کے اعتبار سے مختلف رہی ہے، یہ رسم قدیم معاشرے کے مخصوص حالات کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ لڑکی کے والدین بچپن سے لے کر جوانی تک اپنی بچی کی پرورش کے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ ایک دن اس نے بیاہ کر چلے جانا ہے اس لیے شادی پر ہونے والے اخراجات کے لیے لڑکے والوں کی شرکت بھی لازمی ہے یا دوسرے لفظوں میں لڑکی والوں کی مدد کرنے کے لیے ولور لینے کا آغاز ہوا تھا۔ ولور لینے کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ عموماً لڑکی کے والدین ولور کی تمام رقم لڑکی کے لیے زیورات، کپڑے اور دیگر ضروریات کی اشیاء پر صرف کرتے ہیں۔ اس طرح جو رقم لڑکی والوں کو ملتی ہے وہ ان اشیاء کی صورت میں واپس لڑکے والوں کے ہاں چلی جاتی ہے۔ ثقافت کے اس فکری پہلو میں تبدیلی یا ٹھہراؤ نظر نہیں آتا لہٰذا افسانہ نگاروں نے اس رسم کو جابجا اپنی کہانیوں میں برتا ہے۔ نادر قمبرانی اپنے غیر مطبوعہ افسانے حنابندی میں لب کا ذکر نہایت عمدگی سے کرتے ہیں:

"پھر کون اب چار ہزار روپے دے کر درمیان میں آن ٹپکا اور اس کو حقیر رقم کے عوض خرید لیا"۔ (۷)

لب وولور کی صورت میں رقم کے حصول نے لالچ و خود غرضی کو بھی پروان چڑھایا ہے۔ اس رسم کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اکثر شادیاں بے جوڑ ہی ہوتی ہیں۔ امیر کبیر لوگ زر کے بدلے اپنے سے کئی گنا کم عمر لڑکیوں سے بیاہ رچاتے ہیں چونکہ لڑکی کے والدین اچھی خاصی رقم حاصل کر لیتے ہیں لہٰذا وہ بے جوڑ شادی پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں اسی نکتے کو مد نظر رکھ کر فاروق سرور نے افسانہ باغبان تحریر کیا ہے، افسانے سے مثال ملاحظہ ہو:

"میں نے ڈھیر سارے روپے لے کر اس کا بیاہ ایک بوڑھے شخص سے کر دیا"۔ (۸)

بلوچستانی اردو افسانے کے تینوں ادوار میں جہاں شادی بیاہ کا ذکر آیا ہے۔ وہیں لب وولور کو لازماً بیان کیا گیا ہے۔ دور قدیم سے شروع ہونے والی یہ رسم آج بھی تھوڑے سے ردوبدل کے بعد موجود ہے۔ جس کی واضح جھلک یہاں کے افسانوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

بلوچستان میں اردو ناول نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی تحقیق بتاتی ہے کہ اس کا آغاز ۱۹۱۵ء تا ۱۹۲۰ء کے درمیاں ہو چکا تھا۔ اس وقت دستیاب ناول کا نام "محبت کا دیوتا عرف برابر کی چوٹ" تھا۔ جسے نوجوان

ہندو تاجر جگن ناتھ سیٹھی نے شائع کرایا تھا۔ اس وقت اس ناول کی ۲۰۰ کاپیاں شائع ہوئی تھیں لیکن آج ان میں سے ایک بھی دستیاب نہیں ہے۔ یہ ناول اپنے مصنف اور متن کے ساتھ نایاب ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ اندازہ لگانا بہت ہی مشکل ہے کہ اس ابتدائی ناول کے خدوخال کیا تھے؟ طرز اسلوب کیسا تھا؟ آیا یہ معاشرتی سماجی ناول تھا یا خالص ادبی ناول تھا؟ ان سوالات کے جوابات نہ ۵۰ سال پہلے تھے اور نہ آج ہیں لہذا یہ معلومات نہ صرف ادھوری ہیں بلکہ سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اور دوسرے اس پر کوئی مستند شہادت بھی موجود نہیں لہذا ان معلومات کی صحت پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ بلوچستان میں اردو ناول پر تحقیق کا عمل جاری رہا۔ ایسے میں مشہور محقق ڈاکٹر ضیاء الرحمن نے ناول کے حوالے سے گرانقدر معلومات فراہم کیں۔ اور بلوچستان کے اولین اردو ناول کا سراغ لگایا۔ یہ ناول بلوچستان کے ابتدائی اردو ناول کے اکیس سال بعد جزوی طور پر "ہفت روزہ بلوچستان، کراچی" میں ۹ فروری ۱۹۳۶ء کو پہلی قسط کی صورت میں شائع ہو۔ اس دریافت کا سہرا ڈاکٹر صاحب کے سر ہے۔ اس ناول کے حوالے سے ان کا کہنا ہے:

> "ناول کا نام "بلوچستان کا مجبور بدمعاش" ہے اس کے مصنف "مولانا ہوت بلوچستانی" (۹)

اس ناول کی پہلی قسط اور اس کا پہلا لفظ "بلوچستانی" ہے۔ جو اس خطے سے اس کے براہ راست تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ شائع تو ۲۰ سال بعد ہوا لیکن اس کی تصنیف کا زمانہ لگ بھگ وہی ہے جو کہ "محبت کا دیوتا عرف برابر کی چوٹ" کا ہے۔ بلوچستان کے اولین ناول کی دلچسپ بات یہ ہے کہ اس میں مصنف نے مردانہ معاشرے میں عورت پر ہونے والے مظالم اور اس کی عزت نفس کو مجروع کرنے کے طریقوں کو بیان کیا ہے۔ جن میں ایک طریقہ "ولور، لب" کا ہے۔ اسے انھوں نے دختر فروشی کا نام دیا ہے،۔ یہ ناول بلوچستان کے قبائلی رسم ورواج کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔ جس میں عہد قدیم میں بھی لب وولور لینے کا رواج تھا۔ اس ناول سے اس رسم کی قدامت کا بھی اندازہ ہوتا ہے یہ رسم نا صرف بلوچستان بلکہ پنجاب میں بھی موجود ہے۔ اس کی وضاحت ناہید خان یوں کرتی ہیں:

> "یہ رسم پنجاب کی دو قوموں (آرائیں اور جاٹ) میں بھی پائی جاتی ہے یہ دونوں ذاتیں بھی شادی کے خرچ کے طور پر مقررہ رقم لڑکے والوں سے وصول کرتے ہیں"۔ (۱۰)

بلوچستان میں لکھے گئے اردو ناولوں میں اکثر کا موضوع اصلاحی، رومانوی، معاشرتی اور تاریخی ہے۔ ۱۹۷۱ء میں رفعت زیبا کا تحریر کردہ ناول "رواج" میں ولور کا ذکر ہے یہ رواج اصل میں اسلامی زندگی سے اخذ کیا گیا

ہے۔ ابتدا میں اس کی شکل کچھ اور تھی لیکن آج یہ اپنی بگڑی ہوئی خود ساختہ شکل میں قبائلی معاشروں میں مذہبی عقیدے کی طرح راسخ ہو چکا ہے۔ یہی بگڑی ہوئی شکل ناول کا بنیادی موضوع ہے۔ کہانی کا ہیرو گل غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ تاجو گاؤں کے خان کی بیٹی ہے۔ ان کی سچی محبت طبقاتی تضادات سے ماوراء ہے۔ ان کے بیچ اگر کوئی آہنی دیوار ہے تو وہ ولور ہے۔ اس دیوار کو گرانے کے لیے گل ۱۵۰۰۰ کی رقم پوری کرنے کے لیے کراچی کا رخ کرتا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں ہی عذرا مرزا کا ناول سنبل شائع ہوا۔ اس ناول کی کہانی بھی ولور کے گرد گھومتی ہے۔ مصنفہ نے عشے زئی اور ملازئی قبیلوں کی آپس کی دشمنی کو قصہ کے ذریعے بیان کیا ہے اور ولور جیسی فرسودہ رسم کی بھینٹ بھی عورت ہی چڑھتی ہے۔ اسکی مرضی ہو یا نہ ہو جو اس کا ولور پورا کرے گا وہی اس کا مالک ہے۔

ناول کسی خطے کی عصری اور ادبی تاریخ کو اس کے موضوعات اور رجحانات کی صورت میں محفوظ کرتا چلا جاتا ہے لہذا فنی معیار جو بھی ہو بلوچستان میں اردو ناول کی تاریخ مرتب کرنے میں ہر درجے کے ناول کی ادبی اہمیت یکساں ہے۔ ناول نگار ایک ہیولے کی مدد سے معاشرے میں رونما ہونے والے حساس واقعات تخیل اور من پسند ہئیت میں پیش کرتا ہے۔ تخلیق کے دوران متعدد عوامل اس کی تحریر پر اثر انداز ہوتے ہیں ان میں سب سے زیادہ مضبوط محرک ادبی اور دیگر سماجی تحریکیں ہیں۔ تحاریک کا محرک مختلف رجحانات ہوتے ہیں۔ رجحان سے مراد طبیعت یا ذہن وغیرہ کا قدرتی یا فطری جھکاؤ اور رغبت توجہ وغیرہ۔ رجحانات معاشرتی حرکت کی علامت ہیں۔ اگر نئے نئے رجحانات سامنے نہ آئیں تو معاشرہ جمود کا شکار ہو جائے گا اور اس کا ارتقاء بھی مفلوج ہو کر رہ جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گزرتے وقت کے ساتھ حالات بدلتے جا رہے ہیں۔ سماجی و اخلاقی قدروں میں تبدیلی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اسی اُتار چڑھاؤ اور تبدیلی کی کیفیت میں کوئی نہ کوئی رجحان جنم لیتا ہے اور عوام الناس کو اپنی جانب متوجہ کر لیتا ہے۔ ان بدلتے ہوئے حالات میں جہاں پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے وہاں ادباء کا طبقہ سب سے پہلے متاثر ہوتا ہے۔ ان کے سوچنے اور لکھنے کا انداز بدل جاتا ہے۔ ان کے بدلتے ہوئے انداز علم و ادب کو بھی نئی چیزوں سے متعارف کرواتے ہیں۔ نئے رجحانات جنم لیتے ہیں لیکن پرانے بھی ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں جیسا کہ نال نگاری میں ثقافت و رسوم کا بیان، یہاں کے اولین ناول میں لب و ولور کی چھاپ موجود ہے۔ اسی رجحان کو آنے والے ناول نگاروں کے ہاں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

لب اور ولور کی ابتدا کی بات کریں تو اس کے ابتدائی نقوش عربی اور افغانی تہذیب میں نظر آتے ہیں۔ اس رسم کو رواج بنانے کا ایک پس منظر ہے کہ جس شخص کی بیٹیاں زیادہ ہوتی تھیں یا پھر وہ اولاد نرینہ سے محروم ہوتا تو

بیٹی کے نکاح کے وقت داماد شادی کے خرچ کے بہانے سے کچھ رقم لڑکی کے والد کو ادا کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے لڑکی کا والد بیٹی کے نکاح کا مذہبی فرائض ادا کرنے کے ساتھ اپنی مالی حالت بھی مستحکم کر لیتا تھا اور اس کی انا کو ٹھیس بھی نہیں پہنچتی تھی۔ یہ ایک اسلامی رسم ہے کہ نکاح کا تمام تر خرچہ لڑکے کے ذمے ہوتا ہے۔ وہ اپنی مالی استعداد کے مطابق اس خرچے کو ادا کرتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ رواج اکثر قبیلوں نے اپنا لیا اور اس کی شکل بگاڑ دی آج لب وولور میں یہ ہوتا ہے کہ لڑکی کا رشتہ طے ہو جانے کے بعد شادی کے خرچ کے نام پر لڑکی کے والدین لڑکے والوں سے بھاری رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بعض علاقوں میں اس رواج کی قبیح صورت دیکھنے کو ملتی ہے۔ کہ والدین اپنی کم عمر کم سن بیٹیوں کو ولور اور لب کے عوض عمر رسیدہ اشخاص کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جب کہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہوتے ہیں۔ یہی رواج آج کے شہری علاقوں میں ایک اور صورت میں موجود ہے۔ کہ ولور کے نام پر نکاح کے وقت بھاری رقم رکھی جاتی ہے۔ اب یہ لڑکی والوں کی مرضی ہے کہ وہ ساری رقم لے لیں یا صرف چند روپے اٹھا کر اس کا اعادہ کریں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسم قبائلی معاشروں میں مذہبی عقیدے کی طرح راسخ ہو چکی ہے۔ جس سے پیچھا چھڑانا آسان نہیں ہے۔ چونکہ یہ معاشرتی زندگی کا لازمی حصہ بن چکی ہے لہٰذا ہر دور میں تحریروں کا حصہ بنتی رہی ہے اور بنتی رہے گی۔ بلوچستانی عشقیہ داستانیں ہوں یا افسانوی ادب یا پھر یہاں کی ناول نگاری دیکھنے والوں نے اسی رواج کو بنیاد بنا کر قبائلی عورت کو موضوع کا حصہ بنایا ہے جو ہمیشہ سے ان رسوم کا شکار ہوتی آئی ہیں اور آج بھی اسی رسم کی پاداش میں کتنی ہی کم سن لڑکیوں کو عمر رسیدہ یا کثیر الازدواج مردوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ فکر و فن میں تہذیبی رچاؤ سے لکھنے والوں نے وہ رنگ پیدا کر دیا ہے۔ جو حقیقت پر تخیل کی ملمع کاری سے پیدا ہوتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ طاہر محمد خان، بلوچی زبان و ادب، کوئٹہ، قلات پبلشرز ۲۰۰۴ء، ص ۲۷

۲۔ سلطان محمد صابر، ثقافت و ادب وادیٔ بولان میں، نظامت ثقافت حکومت بلوچستان ۲۰۱۳ء ص ۳۷

۳۔ کامل القادری، بلوچی ادب کا مطالعہ، کوئٹہ، بولان بک کارپوریشن، طبع اول، اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ۱۹۵

۴۔ محمد گل نوری، ملی ھندارہ، کوئٹہ، صدیقی کتب خانہ، ۵ جولائی ۲۰۰۵ء ص ۱۲۸

۵۔ عبدالرحمان براہوی، ڈاکٹر مثنوی ماہ گل (براہوئی داستان) کوئٹہ، یونائیٹڈ پریس، ارٹمیکو ار، ۲۰۰۸ء ص ۲۹

۶۔ شہناز، ولور، سہ ماہی قلم قبیلہ، کوئٹہ، کوجک روڈ، اگست ۱۹۹۶ء تا ۱۹۹۷ء شمارہ نمبر ۱ تا ۴ ہے ص ۱۲۲، ۱۲۳

۷۔ نادر قمبرانی، حنا بندی، مسودہ غیر مطبوعہ، سال ندارد، ص ۱

۸۔ فاروق سرور، باغبان سہ ماہی قلم قبیلہ، شمارہ ۱ تا ۲، اپریل ۱۹۹۹ء تا دسمبر ۱۹۹۹ ص ۹۰

۹۔ ضیاء الرحمن، ڈاکٹر، بلوچستان میں اردو کے ابتدائی، ناول کے چند اوراق، مشمولہ، قلم قبیلہ ص ۳۷

۱۰۔ ناہید خان، بلوچستان میں اردو ناول تحقیق، تاریخ و پس منظر، کوئٹہ نیو کالج پبلی کیشنز، اول، جون ۲۰۱۹ء ص ۱۱۴